(۳۴)

(فرمودہ ۱۹- ستمبر ۱۹۴۴ء بمقام عید گاہ- قادیان)

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا [1] یعنی ہر تنگی جو مومن پر آتی ہے اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے غیر محدود وسعت نصیب ہوتی ہے جس کے کم سے کم دو جلوے ہوا کرتے ہیں- دوسری جگہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتَانِ [2] یعنی جو شخص بھی اپنے رب کے مقام سے خوف کرتا ہے اس کو دو جنتیں ملتی ہیں- گویا یہاں بھی دو جنتوں کا ذکر ہے اور وہاں بھی ایک عُسر کے ساتھ دو یُسر بیان فرمائے ہیں گویا ہر ایک عُسر کے ساتھ دو یُسر کا وعدہ کیا گیا ہے- گو عُسر کا لفظ بھی دُہرایا ہے مگر مراد ایک ہی عُسر ہے کیونکہ اس پر ال لگایا ہے یعنی وہی عُسر جو ہم نے پہلے بیان کیا ہے اسی کا دوبارہ ذکر کرتے ہیں- مگر یُسر پر ال نہیں جس کے معنی یہ ہیں کہ پہلا ہی یُسر نہیں بلکہ نیا ہے اور جس یُسر کا ذکر پہلی آیت میں ہے اسی کا ذکر دوسری میں نہیں بلکہ اس میں ایک نئے یُسر کا ذکر ہے اور دوسرے نکرہ ہونے کی وجہ سے اس میں ایک غیر محدود پن پایا جاتا ہے- کوئی چیز جو انسان کے ذہن میں مستحضر نہ ہو محدود نہیں ہوا کرتی بلکہ اس کی حدود کا تعلق خدا تعالیٰ کے فضل اور رحمت کے ساتھ ہوا کرتا ہے جتنا یُسر ہم خدا تعالیٰ کی رحمت اور اس کے فضل کو جذب کرنے کے ساتھ بڑھاتے جائیں اتنا ہی وہ بڑھتا چلا جائے گا یعنی انسانی اعمال اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کے فضل کو جتنا بڑھاتے جائیں گے اتنا ہی یُسر بڑھتا چلا جائے گا- مگر اَلْعُسْر جو دو بار بیان فرمایا اس میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ اسلام پر دو تاریک زمانے آنے والے ہیں ایک زمانہ تو وہ تھا جو بعثتِ رسول کریم ﷺ سے شروع ہوا اور آپؐ کی زندگی میں ہی ختم ہو گیا- تمام تکالیف و مصائب اور جملہ مشکلات جو اسلام کے راستہ میں دشمنوں کی طرف سے کھڑی کی گئیں وہ رسول کریم ﷺ کی زندگی میں ہی آپؐ کی دعاؤں اور آپؐ کی قربانیوں کی وجہ سے ختم ہو گئیں اور آپؐ کی وفات ایک فاتح جرنیل کی حیثیت میں ہوئی- اور آیت اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا میں اسی کی طرف اشارہ ہے اور بتایا گیا

ہے کہ اے محمد! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جو تنگیاں اور جو تکالیف تجھے پہنچ رہی ہیں ان کے بعد خدا تعالیٰ کی طرف سے بہت بڑی کامیابیاں تجھے ملنے والی ہیں۔ تنگیاں تو ال لگا کر محصور اور محدود بتائی ہیں مگر سہولت نکرہ کی طرح وسیع ہوگی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تنگی کا زمانہ سارا ۲۳ سال ہے مگر اس کے مقابلہ میں اسلامی فتوحات کا زمانہ اتنا لمبا ہے کہ وہ تنگیاں اور تکالیف اس کے سامنے ہیچ ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ صحابہ کرامؓ کو بڑے بڑے دکھ دیئے گئے' بہت تکالیف پہنچائی گئیں مگر بعد میں جو انعام ان کو ملے وہ انعام بتا کر اگر آج لوگوں سے کہا جائے کہ تم یہ دکھ اٹھا لو پھر تمہیں یہ یہ انعام ملیں گے تو یقیناً لاکھوں لوگ وہی دکھ بلکہ ان دکھوں سے بھی زیادہ دکھ اٹھانے کو تیار ہو جائیں گے۔ اگر آج کسی سے کہا جائے کہ ۲۳ سال دکھ اور تکالیف اٹھاؤ اس کے بعد تمہیں بادشاہ بنا دیا جائے گا تو لاکھوں انسان بخوشی وہ تکالیف اٹھانے کو تیار ہو جائیں گے جو حضرت ابوبکرؓ نے اٹھائیں' لاکھوں ان مشکلات میں سے گذرنے پر آمادہ ہوں گے جن میں سے حضرت عمرؓ گذرے اور جن میں سے حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کو گزرنا پڑا بشرطیکہ ان کو یہ معلوم ہو جائے کہ جو درجہ ان ملا وہی ان کو بھی مل جائے گا۔ بلکہ لاکھوں نہیں کروڑوں آدمی ان تکالیف کو برداشت کرنے کے لئے اپنے آپ کو پیش کر دیں گے جو صحابہؓ نے اٹھائیں اگر انہیں بتا دیا جائے اور انہیں یقین ہو جائے کہ ان کو بھی وہی انعام ملیں گے جو پہلوں کو ملے تھے۔ مگر آج کے لوگوں اور ان لوگوں کے حالات میں ایک فرق ہوگا۔ وہ یہ کہ ابوبکرؓ' عمرؓ' عثمانؓ اور علیؓ نے جب ان تکالیف کو برداشت کیا اُس وقت انعامات پردہ غیب میں تھے۔ انہوں نے موت کو صرف موت کی خاطر قبول کیا تھا اور ان حکومتوں کے لئے نہ کیا تھا جو بعد میں ان کو ملیں۔ تیرہ سو سال کا لمبا عرصہ جو اس وقت تک گذرا ہے اور آئندہ خدا جانے یہ اور کتنا لمبا ہوگا اُس وقت ان کے سامنے نہ تھا جب کہ ابوبکرؓ کا نام لیتے ہوئے ہر مسلمان رضی اللہ عنہ ساتھ کہنے والا تھا۔ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ نے جب تکالیف اٹھائیں تو اُس وقت یہ اتنا لمبا عرصہ ان کے سامنے نہ تھا جب کہ ان کا نام لیتے ہوئے ہر مسلمان ادب و احترام کی وجہ سے آنکھیں نیچی کر لے گا۔ حضرت علیؓ نے جب یہ تکالیف برداشت کیں تو ان کے سامنے یہ لمبا عرصہ نہ تھا جب ان کے نام کے ساتھ ہی دل میں محبت و احترام کے جذبات پیدا ہوں گے اور علی رضی اللہ عنہ کہا جائے گا بلکہ مسلمانوں کا ایک طبقہ تو ان کو علیہ السلام بھی کہتا ہے۔ تو فرق یہ ہے کہ ابوبکرؓ نے قربانیاں قربانیوں کی خاطر کی تھیں' عمرؓ نے قربانیاں قربانیوں کی خاطر کی تھیں

اور یہی حال دوسرے صحابہ کا تھا۔ وہ قربانیاں قربانیوں کی خاطر کرتے تھے وہ موت کو موت کیلئے قبول کرتے تھے اور ان کے سامنے صرف اللہ تعالیٰ کی رضاجوئی تھی۔ وہ انعامات جو ان کو بعد میں ملے وہ ان کے سامنے نہ تھے نہ ان کے مقصود تھے اس لئے ان کی قربانیاں بڑی ہیں ورنہ جو انعامات ان کو ملے جو بدلہ ان کو ملا یا اگلے جہان میں ملنے والا ہے وہ سامنے رکھ کر اگر ان قربانیوں سے دس گُنا بھی زیادہ قربانیاں کی جائیں تو وہ صحابہؓ کی قربانیوں کے سامنے حقیر ہوں گی اس لئے کہ صحابہ کے سامنے انعامات نہ تھے بلکہ وہ قربانیاں خدا تعالیٰ کے حکم کے ماتحت کرتے تھے اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ تنگیاں اور یہ تکالیف جو تم نے اُٹھائی ہیں ان کے اٹھانے میں چونکہ یہ بات نہ تھی کہ اس کے بدلہ میں تمہیں انعامات ملیں گے بلکہ اس لئے اٹھائیں کہ یہ میرا حکم تھا اس لئے میرے انعامات بھی غیر محدود ہوں گے۔ گو مومن امید تو یہ رکھتا ہے کہ وہ جو نیک اعمال بجالاتا ہے اس کے نتیجہ میں اس پر اللہ تعالیٰ کا فضل نازل ہوگا مگر وہ قربانی اس لئے نہیں کرتا کہ اس کے نتیجہ میں اسے کوئی انعام ملے گا یا جنت ملے گی۔ مومن اس لئے نمازیں نہیں پڑھتا کہ اس کے نتیجہ میں اسے جنت ملے گی' اس لئے زکوٰۃ نہیں دیتا' اس لئے حج نہیں کرتا کہ اسے جنت حاصل ہوگی بلکہ سب نیکیاں اور سب قربانیاں اللہ تعالیٰ کا حکم سمجھ کر کرتا ہے۔ ؏ اگر خدا تعالیٰ کہہ دے کہ اس زندگی کے بعد کوئی اور زندگی نہیں بلکہ مرکر انسان مٹی ہو جائے گا تو کیا تم سمجھتے ہو کوئی شریف انسان کہے گا کہ میں اب نماز نہیں پڑھوں گا' زکوٰۃ دینا ترک کردوں گا' حج نہیں کروں گا' یہ نیکیاں اور عبادات تو ان سابق احسانات کی وجہ سے ہیں جو اَب تک اللہ تعالیٰ ہم پر کرچکا ہے آئندہ کے لئے سودے کے طور پر نہیں ہیں۔ جو سودا کرتا ہے وہ مومن نہیں ہو سکتا۔

حضرت جنید بغدادیؒ کے متعلق آتا ہے کہ کسی نے ان سے کہا کہ شبلی آپ کا شاگرد ہے وہ کہتا ہے کہ میں تو اللہ تعالیٰ کے سامنے جاکر یہ کہوں گا کہ بے شک تُو مجھے دوزخ میں بھیج دے مجھے جنت کی پروا نہیں مجھے تو تیری رضا منظور ہے۔ یہ بات سنکر حضرت جنید نے کہا کہ شبلی بچہ ہے اس لئے اس نے اس رنگ میں بات کی۔ میں تو اللہ تعالیٰ کے حضور یہ عرض کروں گا کہ اگر تُو میرے جنت میں جانے سے خوش ہے تو جنت میں بھیج دے اور اگر میرے دوزخ میں جانے میں تیری خوشی ہے تو دوزخ میں بھیج دے۔ ؏ تو سچا مومن قربانی اس لئے نہیں کرتا کہ اسے جنت مل سکے بلکہ خدا تعالیٰ کی خوشی کے لئے کرتا ہے۔ بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ وہ جنت اس لئے

حاصل کرتا ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی خوشی ہے اور مومن دوزخ کے اظلال یعنی دنیوی تکالیف کو قبول کرتا ہے تو اس لئے نہیں کہ اسے جنت ملے بلکہ اس لئے کہ خدا تعالیٰ کی رضا حاصل ہو اور اس کا خدا اس سے خوش ہو جائے۔ لقمان کے متعلق آتا ہے کہ بچپن میں ڈاکو انہیں اٹھا کر لے گئے تھے اور بطور غلام فروخت کر دیا تھا۔ ان کا آقا ان کی ہوشیاری' ذہانت اور تقویٰ کی وجہ سے ان کی بہت خاطر مدارات کیا کرتا تھا۔ اس ملک میں خربوزوں کا موسم نہ تھا کسی دوسرے ملک سے ایک تجارتی قافلہ آرہا تھا کہ اس کے کسی ملازم نے اس کے لئے بے موسم کا خربوزہ بھجوایا۔ جب وہ خربوزہ یا سردا اسے ملا تو اس نے اسے چیر کر ایک قاش لقمان کو دی اس لئے کہ وہ ان سے بہت پیار کرتا تھا اور وہ بچے بھی تھے۔ لقمان نے اس قاش کو بہت مزے لے لے کر کھایا۔ یہ دیکھ کر اس شخص نے ایک اور قاش دی۔ آپ نے وہ بھی بہت مزے لے لے کر کھائی اور اس پر اس نے ایک تیسری قاش آپ کو دی اور آپ نے وہ بھی بڑے شوق سے کھائی۔ اس پر اس شخص کو خیال آیا کہ میں بھی چکھوں اور اس نے ایک قاش اپنے لئے کاٹی مگر جب پہلا ہی لقمہ اس میں سے لیا تو اسے قے آنے لگی وہ سخت بدبودار تھی اور اس میں سے ہیک ☆ کہ آرہی تھی اور سخت بدمزہ تھی۔ اس پر اس نے لقمان کو ڈانٹا اور کہا کہ تمہیں تو میں یہ قاشیں مزے دار سمجھ کر دے رہا تھا نہ کہ دکھ میں ڈالنے کے لئے تم نے مجھے بتا کیوں نہ دیا کہ یہ ایسی خراب چیز ہے اور خواہ مخواہ اپنے آپ کو دکھ میں کیوں ڈالا۔ لقمان نے جواب دیا کہ میرے آقا! اس ہاتھ سے میں اتنی میٹھی قاشیں کھا چکا ہوں کہ بڑی بے حیائی ہوتی اگر میں ایک کڑوی قاش پر منہ بنانے لگتا۔ ۵ جہاں سچی محبت ہو وہاں بے شک میٹھی میٹھی اور کڑوی کڑوی تو لگتی ہے مگر ایمان ایک ایسی چیز ہے کہ جو کڑوی کو بھی میٹھی بنا دیتا ہے۔ مومن کے سامنے صرف رضاالٰہی ہوتی ہے جنت یا دوزخ نہیں۔ وہ اگر جنت میں جاتا ہے تو اس لئے کہ اس میں اس کے خدا کی رضا ہے۔ جنت کے متعلق رسول کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ **لَا عَيْنٌ رَأَتْ وَلَا أُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ عَلٰى قَلْبِ بَشَرٍ**۔ لہ یعنی اس کی نعمتیں ایسی ہوں گی کہ نہ کبھی انسانی آنکھ نے دیکھیں' نہ کانوں نے ان کی تعریف سنی اور نہ ہی انسانی قلب میں ان کا خیال گذرا۔ یہ اس جنت کی تعریف ہے جس کا مومنوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے۔ ٭ اور ہمارا ایمان ہے کہ خدا تعالیٰ قادر ہے ۸ اور وہ چاہے تو اس سے کروڑوں گنا بڑی جنت بھی بنا سکتا ہے لیکن اگر ایسی جنت بنا کر بھی وہ اپنے عاشقوں سے یہ کہتا کہ میری رضا تو اسی میں

ہے کہ تم اس جنت سے باہر رہو لیکن اگر تم چاہو تو میں تم کو اس میں داخل کر سکتا ہوں تو وہ اس جنت پر کبھی تھوکتے بھی نہ۔ مومن تو اس لئے جنت کو پسند کرتا ہے کہ اس میں جانا اس کے محبوب کی خواہش ہے اسی لئے خدا تعالیٰ نے جہاں جنت کا وعدہ فرمایا وہاں اپنے عاشقوں کا دل رکھنے کے لئے یہ فرمایا کہ فَادْخُلِیْ فِیْ عِبَادِیْ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ ۹ یعنی اے پاکیزہ روح! فَادْخُلِیْ فِیْ عِبَادِیْ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ تو میرا سچا اور فرمانبردار بندہ ہوتے ہوئے اس باغ میں داخل ہو جا۔ جس میں میں بھی تیرے ساتھ ہوں گا۔ اس میں دو وجوہ بتائی ہیں کہ مومن جنت میں کیوں داخل ہو گا۔ ایک تو اس لئے کہ وہ میرا فرمانبردار ہو گا اور دوسرے میں اور وہ اکٹھے اس میں ہوں گے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ مومن کو گویا یہ بتاتا ہے کہ میں جانتا ہوں تُو جنّت کی خاطر جنّت میں نہیں جائے گا بلکہ میرے قرب کی وجہ سے جائے گا۔ اس میں جنت کے انعام کو ایسا حقیر بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جب تک میں بندہ سے یہ نہ کہوں گا کہ اس میں داخل ہونے میں میری اطاعت ہے وہ داخل نہ ہو گا اور دوسرے جب تک میں اسے یہ نہ کہوں گا کہ یہ جنت اصل مقصود نہیں بلکہ اصل مقصود اس میں داخل ہونے کا یہ ہے کہ تو میرے ساتھ رہے گا وہ داخل نہ ہو گا۔ تو اس چھوٹی سی آیت میں اللہ تعالیٰ نے عشق و محبت کے بے انتہا باب کھول دیئے ہیں فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا میں اللہ تعالیٰ نے ایک تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں عظیم الشان انعامات کا وعدہ فرمایا ہے اور اسے دُہرا کر اس بات کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ آخری زمانہ میں اسلام پر پھر مشکلات اور مصائب آنے والے ہیں۔ مگر اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) تیری قربانیاں اتنی بڑھی ہوئی ہیں کہ دوبارہ جب اسلام پر تنگی اور تکالیف کا زمانہ آئے گا تو انہی کے طفیل ہم دوبارہ یُسر پیدا کر دیں گے۔ آخری زمانہ کی تنگیوں کی قیمت بھی ہم نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی قربانیوں کی صورت میں وصول کر لی ہے اور یہی قربانیاں دوبارہ اسلام کے لئے رحمت اور فضل کا دروازہ کھولنے کا ذریعہ بن جائیں گی۔ یہ گویا اللہ تعالیٰ کا ایک وعدہ ہے جس کا مبادلہ بھی اللہ تعالیٰ وصول کر چکا ہے اور اللہ تعالیٰ کا وہ وعدہ بھی نہیں ٹل سکتا جس کا کوئی مبادلہ نہ ہو تو یہ کیسے ٹل سکتا ہے اور ایسے وعدہ کا ٹلنا تو گویا بیع فسخ کرنے کے مترادف ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص کوئی ہبہ کر کے اسے واپس لے' وہ گویا قے کر کے چاٹنے والا ہے۔ ۱۰ اور وہ جو ایک سودا کر کے فسخ کرے وہ تو اور زیادہ بُرا فعل کرتا ہے پس اللہ تعالیٰ نے اس وعدہ کو اور زیادہ پختہ بنانے کے لئے فرمادیا کہ ہم

نے آخری زمانہ کے یُسر کیلئے بھی محمد (ﷺ) سے قربانیاں وصول کرلی ہیں اس لئے اب وہ بالکل پکی بات ہے۔

پس جہاں تک تو اسلام کی ترقیات کا سوال ہے وہ ضرور آنے والی ہیں یہ ایک ایسی یقینی بات ہے کہ اس میں کوئی شبہ نہیں مگر سوال صرف یہ ہے کہ ان کے لانے میں ہمارا حصہ کتنا ہوگا۔ آنحضرت ﷺ نے قربانیاں کیں آپ کی اور آپ کے صحابہؓ کی قربانیوں کی وجہ سے عید تو آنے والی ہے۔ یُسر بھی ایک عید ہے جس کا آنا اب یقینی ہے۔ سوال صرف اتنا ہے کہ اس کے لانے میں ہمارا حصہ کتنا ہوگا۔ رمضان عید لاتا ہے عید کے لئے روزے رکھنے پڑتے ہیں۔ ہر مسلمان کے لئے روزے رکھنا ضروری ہے۔ غلطی سے بعض مسلمانوں نے یہ خیال کر لیا ہے کہ اگر کوئی فدیہ دے دے تو روزے معاف ہو جاتے ہیں حالانکہ اگر یہ صحیح ہو تو روزہ صرف غریبوں کے لئے ہی رہ جائے۔ صحیح بات یہ ہے کہ جو شخص ایسا بیمار ہو کہ دورانِ سال میں اچھا ہو جائے اس کے لئے ضروری ہے کہ فدیہ کے علاوہ روزے بھی رکھے سوائے دائم المریض کے کسی کو روزہ معاف نہیں ہوتا۔ لله

پس عید ہمیں بتاتی ہے کہ حقیقی عید کے لئے ہر شخص کو اتنی قربانی ضرور کرنی چاہئے جتنی وہ کرنے کی توفیق رکھتا ہو۔ جیسے رمضان میں جو اتنی طاقت رکھتا ہے کہ پورے تیس کے تیس روزے رکھے اس کے لئے ضروری ہے کہ تیس ہی رکھے جو بیس رکھ سکتا ہے وہ بیس رکھے اور جو پندرہ رکھ سکتا ہے وہ پندرہ اور جو دس رکھ سکتا ہے وہ دس رکھے حتیٰ کہ جو ایک بھی رکھ سکتا ہے مگر نہیں رکھتا اس نے گویا عمداً سارے رمضان کو کھو دیا۔ پس اگر حقیقی عید کو حاصل کرنا چاہو تو اس کا یہی طریق ہے کہ ہر فرد جتنی قربانی کی وہ طاقت رکھتا ہے ضرور کرے اور قوم میں سے اگر ایک فرد بھی کوتاہی کرتا ہے تو گویا وہ اپنے ساتھیوں کے لئے عید لانے میں تاخیر کا باعث بنتا ہے۔ پس عید کے لئے ضروری ہے کہ جتنی جتنی قربانی ممکن ہو قوم کا ہر فرد کرے اور صحیح بات تو یہ ہے کہ جب تک تمام کی تمام قوم اپنے لئے موت قبول نہ کرے اس کے لئے عید نہیں آسکتی۔ مخالف ہم پر اعتراض کرتے ہیں کہ ہم آنحضرت ﷺ کی توہین کرنے والے کے قتل کو بھی جائز نہیں سمجھتے اور دوسری طرف میں نے بارہا کہا ہے کہ ہمیں سلسلہ کے لئے اپنی جانوں کو قربان کر دینا چاہئے۔ مخالف اس پر اعتراض کرتے ہیں مگر اس میں اعتراض کی کوئی بات نہیں۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ کسی کی جان لینا ظلم ہے لیکن اپنی جان خدا تعالیٰ کی راہ میں دینا ضروری

ہے۔ اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ قاتل کو بھی اپنے آپ سزا نہ دینی چاہئے بلکہ عدالت کے ذریعہ اسے سزا دلوانی چاہئے۔ قاتل کو خود قتل کرنا جائز نہیں [۲۱] لیکن آپ اپنے آپ کو خدا تعالیٰ کی راہ میں قتل کر دینا تو ضروری ہے مگر اس قتل سے مراد خوش کشی نہیں۔ خود کشی کو تو اسلام نے ناجائز قرار دیا ہے [۲۲] بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اپنے علم کو، اپنے مالوں کو اور اپنے اوقات کو خدا تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرو۔ اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ سَو آدمی اپنے گلوں پر خنجر پھیر لیں تو اس سے اسلام کو طاقت حاصل ہو جائے گی تو یہ ایک پاگل پن کی بات ہے اور بے دینی ہے۔ دین کے لئے قربانی کے یہ معنی نہیں کہ اپنے گلے کاٹ لئے جائیں بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ دین کے لئے موت کی جو راہیں اِس زمانہ میں خدا تعالیٰ نے تجویز کی ہیں اسے اختیار کیا جائے اور ان راہوں میں سے ایک یہ ہے کہ اپنے اموال دین کے لئے خرچ کئے جائیں۔ [۲۳] مگر دیکھ لو ابھی جماعت میں کتنے لوگ ہیں جو اس راہ میں کوتاہی کرتے ہیں اور بہانے بنا کر پیچھے ہٹنا چاہتے ہیں۔ اس زمانہ میں اگر کوئی شخص مالی قربانی کرنے سے گریز کرتا ہے تو اس کا خنجر سے اپنا گلا کاٹ لینا اسلام کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔ اسی طرح ایک اور راہ قربانی کی تبلیغ ہے۔ ایک انسان اپنے آپ کو ہمہ تن تبلیغ میں لگا کر بھی دین کے لئے موت قبول کر سکتا ہے۔ دن میں یا رات میں اپنی ڈیوٹی سے تھکا ہوا جب فارغ ہو کر آتا ہے تو اسے خدا تعالیٰ کا حکم ملتا ہے کہ دینِ اسلام بے کس ہے، مشکلات میں ہے اس لئے تبلیغ کرو۔ اگر تو وہ کہتا ہے کہ میں تو اب تھکا ہوا آیا ہوں کچھ وقت مجھے اپنے بیوی بچوں کے پاس بھی گزارنا لازمی ہے مجھے آرام بھی کرنا چاہئے اور اِس واسطے وہ تبلیغ نہیں کرتا تو اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ اپنی جان کی قربانی کرنے سے گریز کرتا ہے۔ یا مثلاً غیر ممالک میں تبلیغ کے لئے نوجوانوں کی ضرورت ہے اور مطالبہ کیا جاتا ہے کہ نوجوان آگے آئیں تو اگر تو جماعت سَو دو سَو یا ہزار دو ہزار جتنے بھی نوجوانوں کی ضرورت ہے پیش کر دیتی ہے تو گویا اس نے قربانی کا حق ادا کر دیا۔ لیکن اگر ضرورت پوری نہیں ہوتی تو ساری جماعت گنہگار ہوگی کیونکہ اس کے معنی یہ ہوں گے کہ جماعت قربانی کے لئے تیار نہیں۔ اسی طرح اور بھی بیسیوں صورتیں جائز رنگ میں دین کے لئے موت قبول کرنے کی ہیں اور ان صورتوں سے اپنے آپ کو دین کی خدمت کے لئے لگا دینا گویا اپنے لئے موت قبول کرنا ہے۔ اسی طرح جو نوجوان اپنے آپ کو مروّجہ مغربی فیشن کا شکار ہونے سے بچاتے ہیں ٹائی اور سوٹ کے یک رنگ ہونے کی فکر میں وقت ضائع نہیں کرتے اور سادگی

اختیار کرتے ہیں تا نمازوں میں آسانی پیدا ہو سکے اور تا وہ غریبوں کے ساتھ آسانی سے مل سکیں اور اس طرح جماعت کے غریب طبقہ کو اُبھارنے کی کوشش کرتے ہیں وہ بھی دین کے لئے اپنی جان کو قربان کرنے والے ہیں۔ یا جو شخص امیر ہونے کے باوجود سادہ کھانا کھاتا ہے تا وہ دین کے لئے روپیہ بچا سکے' تا غریبوں کے لئے اس کا دستر خوان وسیع ہو اور تا جماعت میں غریب اور امیر کے بے تکلّفانہ میل جول کی روح پیدا ہو اور غریب طبقہ میں حرص و آز کے پیدا ہونے کا موجب نہیں بنتا وہ گو اپنے گلے پر خنجر نہیں پھیرتا مگر پھر بھی وہ اپنے دین کے لئے اپنی جان کو قربان کرنے والا ہے۔ اور بھی کئی طریق ایسے ہیں کہ انگریزی حکومت کے قانون کے اندر رہتے ہوئے بھی اور شرعی احکام کی پابندی کرتے ہوئے انسان دین کے لئے اپنی جان قربان کر سکتا ہے۔ انگریزی قانون میں اپنا مال اور اپنے وقت اور اپنے جذبات کی قربانی کوئی جُرم نہیں خنجر مار کر خودکشی کرنا البتہ جُرم ہے اور اس سے اسلام بھی روکتا ہے۔ اس زمانہ میں حقیقی قربانی یہی ہے کہ انسان اسلام کے لئے اپنا مال' اپنا وقت اور اپنے جذبات کو قربان کر دے اور جب ساری جماعت میں یہ حالت پیدا ہو جائے اور ہر چھوٹا بڑا ہر امیر غریب اس قربانی کے لئے تیار ہو جائے جیسے رمضان سب امیروں اور غریبوں' چھوٹوں اور بڑوں کے لئے یکساں ہوتا ہے تو پھر حقیقی عید آ سکتی ہے۔ جس طرح رمضان میں ہر ایک کو اپنی طاقت کے مطابق قربانی کرنی لازمی ہے تا عید آئے اسی طرح مأموروں کے زمانہ میں بھی ہر ایک کے لئے اپنی طاقت کے مطابق قربانی کرنا لازمی ہوتا ہے اور جو پیچھے رہتا ہے اس کا بوجھ ساری قوم پر پڑتا ہے اس لئے ضروری ہے کہ جو سُست ہیں ان کو آگے کیا جائے۔ محمد مصطفیٰ ﷺ نے خلعتِ انعام بنا کر تیار کر رکھا ہے ضرورت صرف اس امر کی ہے کہ ہم اس تالہ کے لئے جس کے اندر وہ ہے کنجی تیار کر لیں اور اپنے دلوں کو اس ہتھوڑے کے نیچے لے آئیں جس کی زد میں آنے سے وہ چابی تیار ہوتی ہے جس سے وہ تالہ کھلتا ہے اور وہ خلعت مسلمانوں کو مل سکتا ہے اور ہمارے لئے حقیقی عید کا دن ہو گا جب یہ خلعت حاصل ہو جائے گا لیکن اگر یہ نہیں ملتا تو عید کا دن ہمارے لئے خوشی کا نہیں بلکہ موت کا دن ہو گا۔ اور اگر ہم اس حقیقی عید کو نہ لا سکے تو ہم سے زیادہ ذلیل قوم اور کوئی نہ ہو گی۔ ہر ایک کے لئے آج دنیا میں سر چھپانے کی جگہ ہے مگر محمد رسول اللہ ﷺ کی امت کے لئے نہیں۔ اور کیسی بدنصیب ہو گی وہ قوم جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے عید کا دن مقدّر کیا ہے مگر وہ تھوڑی سی قربانی نہ کرنے کی وجہ سے اس عید کے دن کو

پیچھے ڈالتی جائے اور اس دن کو حاصل کرنے میں سستی کرتی جائے جس کے حاصل ہونے پر آنحضرت ﷺ کو خوشی ہوگی اور تمام صلحائے امت کو خوشی ہوگی۔

میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے کہ ہم وہ سچی قربانی کر سکیں جو وہ دن جلد از جلد لے آئے جب ہم رسول کریم ﷺ کی قربانیوں کے نتیجہ میں آنے والی عید کو دوبارہ دنیا میں لا سکیں۔ اور میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہمارے لئے اس مادی عید کو روحانی، حقیقی اور آسمانی عید بنادے اور ہمیں رسول کریم ﷺ کے دین کی اشاعت کا ذریعہ بنائے۔ آمین

(الفضل ۲۳۔ ستمبر ۱۹۴۴ء)

---

۱ الم نشرح: ۷،۶ ۲ الرّحمٰن: ۴۷ ۳ الانعام: ۱۶۳، ۱۶۴

۴ تذکرۃ الاولیاء اردو مطبوعہ لاہور صفحہ ۳۳۳

☆ ۴ ہیک: ایک قسم کی ناگوار بُو

۵ مثنوی مولانا روم دفتر دوم مطبوعہ کانپور صفحہ ۱۴۷

۶ صحیح بخاری کتاب التفسیر باب قولہ فلا تعلم نفس ما اخفی لھم

۷ الرعد: ۳۶ ۸ البقرۃ: ۲۸۵ ۹ الفجر: ۳۰، ۳۱

۱۰ صحیح بخاری کتاب الھبۃ باب لایحل لاحد ان یرجع فی ھبتہٖ، صحیح بخاری کتاب الھبۃ باب ھبۃ الرجل لامراتہٖ

۱۱ البقرۃ: ۱۸۵ و نوٹ تفسیر صغیر صفحہ ۵۳ و ملفوظات جلد ۹ صفحہ ۴۳۲، ۴۳۳

۱۲ صحیح بخاری کتاب الدیات باب القسامۃ

۱۳ البقرۃ: ۱۹۶۔ صحیح بخاری کتاب الجنائز باب ماجاء فی قاتل النفس

۱۴ التوبۃ: ۴۱